حافظ صلاح الدین یوسف صاحب ۔ لاہور

ایک مجلس کی تین طلاقوں کا مسئلہ

شریعت بنچ سندھ میں ایک درخواست کے سلسلے میں

روزنامہ مشرق" لاہور کے بموجب کراچی کے ایک شخص نے سندھ ہائی کورٹ کے شریعت بنچ میں ایک درخواست دی ہے۔ جس میں اس نقطے پر حتمی رائے دینے کی استدعا کی گئی ہے کہ کیا بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس نے اپنی بھتیجی کا کیس پیش کیا۔ جسے اس کے شوہر نے تین بار گواہوں کی موجودگی میں طلاق دے دی ہو، جواب عدت پوری کر چکی ہے۔ درخواست دہندہ نے کہا کہ اس نے حنفی مسلک کے چار مفتیوں سے رائے طلب کی تو انہوں نے کہا کہ طلاق مؤثر ہو چکی ہے۔ جب اہلحدیث مفتیوں سے پوچھا گیا۔ تو انہوں نے کہا کہ طلاق کا عمل پایہ تکمیل کو نہیں پہنچا ہے۔ درخواست میں کہا گیا ہے کہ اس صورت حال میں ایک عام مسلمان جو کسی خاص فرقے سے تعلق نہ رکھتا ہو، علماء کے متضاد فتووں میں سے کونسا راستہ اختیار کر سکتا ہے۔ شریعت بنچ نے درخواست سماعت کے لیے منظور کر لی ہے (مشرق لاہور۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۹ء)

اس مسئلے کی وجہ سے فی الواقع عوام بعض اوقات بڑی سخت پریشانی سے دوچار ہوتے ہیں جس کی دو وجہ ہیں۔

ایک تو اس لیے کہ طلاق کے سلسلے میں عوام اسلامی احکام و ہدایات سے عام طور پر بے خبر ہیں۔ ان کو معلوم ہی نہیں کہ اسلام میں طلاق کتنا ناپسندیدہ فعل ہے؟ اور اگر حالات کی مجبوری طلاق جیسے اقدام تک نوبت پہنچا ہی دے۔ تو طلاق کا صحیح اور شرعی طریقہ کیا ہے؟ طلاق دینی کس طرح چاہیئے۔؟ یہی بے خبری دراصل ان کی خانہ بربادی کا سب سے بڑا سبب بن جاتی ہے۔!

دوسری وجہ علماء کا فقہی و تقلیدی جمود ہے کہ وہ عوام کی یہ پریشانیاں آئے دن دیکھتے بھی ہیں اور طلاق کے مسئلے ہیں اگر وہی نقطۂ نظر اپنا لیا جائے جو صدر اول (عہد رسالت، عہد ابوبکر صدیقؓ اور عہد خلافت عمرؓ کے ابتدائی دو تین سال تک) کا تعامل تھا، تو عوام کی جہالت اور بے خبری سے جو پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں، ان کا بآسانی ازالہ ممکن ہے۔ لیکن وہ اپنے تقلیدی خول سے باہر نکلنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور اپنے فقہی جمود پر ہی مصر رہتے ہیں۔

اس لیے سب سے پہلے طلاق کی اس حیثیت کو سمجھ لینا چاہیئے۔ جو اسلام میں ہے اسلام نے بعض دوسرے مذہبوں کی طرح یہ قدغن تو عائد نہیں کی ہے کہ ایک مرتبہ کوئی مرد و عورت رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جائیں تو علیحدگی کی کسی موقع پر بھی گنجائش نہ رہے۔ اگرچہ بعض حالات و اسباب اس علیحدگی کے متقاضی ہو جاتے ہوں تاہم عقدِ نکاح کے بعد اس عقد کو قائم رکھنے کی بڑی تاکید کی ہے اور انتہائی ناگزیر مجبوری کے بغیر حق طلاق کے استعمال کو ناپسند کیا ہے۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے

أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ الطَّلَاقُ رواہ ابوداؤد۔ مشکوٰۃ۔ کتاب الطلاق) "حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز اللہ کو طلاق ہے۔"

بنابریں عوام کو یہ سمجھانے کی بڑی شدید ضرورت ہے کہ ذرا ذراسی بات پر عورتوں کو طلاق دے دینا اور اسے شیوۂ مردانگی سمجھنا بڑی نادانی اور شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔ خانگی امور میں صبر و تحمل اور حوصلہ و تدبر بڑا ضروری ہے۔ غصہ اور عجلت میں ایسا اقدام اکثر و بیشتر دو خاندانوں کی تباہی پر منتج ہوتا ہے۔

لیکن اگر نباہ کی کوئی صورت نہ بنے اور طلاق ضرور دینی پڑ ہی جائے تو طلاق کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے۔ جس کی تلقین ہمیں کی گئی ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ طلاق کا احسن طریقہ یہ ہے کہ تین طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں۔ یعنی عورت ماہواری (حیض) کے بعد غسل کر کے جب پاک ہو جائے (جو طُہر کی حالت کہلاتی ہے)، تو اس میں ایک طلاق دے دی جائے۔ پھر دوسرے مہینے دوسرے طُہر میں دوسری اور تیسرے مہینے تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے دی جائے۔

جیساکہ فقہائے احناف نے اسے طلاق احسن کہا ہے۔ اور اس کی دو قسمیں اور کی ہیں۔ (۲) طلاق حسن اور تیسری قسم طلاق بدعی۔ لیکن غور کیا جائے تو تین طہروں میں تین طلاقوں کی ضرورت ہی نہیں۔ ایک مرتبہ ہی طہر کی حالت میں ایک طلاق دے دینا کافی ہے۔ یہ طلاق رجعی ہوگی۔ اگر شوہر عدت (تین حیض یا تین ماہ یا اختلاف حالات) کے اندر رجوع نہیں کرے گا۔ تو طلاق اپنے آپ متحقق ہو جائے گی۔ پھر مزید طلاقیں دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اس مسنون طریقہ طلاق کا فائدہ یہ ہے کہ اگر رجوع کی کوئی صورت عدت گزرنے سے پہلے ہی بن گئی تو وہ اپنے قول یا عمل سے رجوع کرے گا۔ اور اگر عدت گزرنے کے بعد دوبارہ اس کو گھر میں لانے کا احساس پیدا ہوگا۔ تب بھی اس کے لیے یہ راستہ کھلا رہے گا۔ کہ نکاح جدید سے اپنی بیوی بنا سکتا ہے۔

صحابہ کرام کے متعلق آتا ہے کہ وہ اسی طریقے کو پسند کرتے تھے۔

ان الصحابة رضی اللہ عنہم کانوا یستحبون ان یطلقها واحدة ثم یترکها حتی تحیض ثلاث حیض (فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۳ ص ۲۶ طبع جدید)

یعنی صحابہؓ کرام اس بات کو پسند کرتے تھے کہ مرد اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر چھوڑ دے تا آنکہ اسے تین حیض آجائیں

امام محمدؒ بھی صحابہ کے متعلق یہی بات لکھتے ہیں کانوا یستحبون ان لا یزیدوا فی الطلاق علی واحدة حتی تنقضی العدة فان هذا افضل عندهم من ان یطلق الرجل امرأته ثلاثاً عند کل طهر واحدة، ولانه ابعد عن الندامة (حوالہ مذکور)

اس قسم کے اور بھی بعض آثار مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵ میں ہیں۔

امام مالکؒ کہتے ہیں۔ ولا یباح الا واحدة لان الاصل فی الطلاق هو الحظر والاباحة لحاجة الخلاص وقد اندفعت بالواحدة۔ (ہدایہ اولین۔)

(باب طلاق السنة)

یعنی امام مالکؒ کا فرمان ہے کہ جواز ایک ہی طلاق کا ہے۔ کیونکہ طلاق بجائے خود ناپسندیدہ چیز ہے۔ اس کا جواز ایک ضرورت کے تحت ہی ہے اور وہ ایک سے پوری ہو جاتی ہے!

حقیقت یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تلعب بکتاب اللہ قرار دیا ہے۔ فقہائے کرام ؒ نے بھی اسے سخت معصیت اور حرام تبلایا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے وہ حکمت و مصلحت بھی باطل ہو جاتی ہے۔ جو شریعت نے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے اندر رکھی ہے۔ لیکن ہمارے ہاں عوام بے چارے تعلیم و تربیت کی کمی بالخصوص علم شریعت کے فقدان کی وجہ سے غصے میں بالعموم بیک وقت تین طلاق دے بیٹھتے ہیں۔ پھر جب ان کو حنفی مفتی بتاتے ہیں کہ یہ تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں اور حلالہ کے بغیر تم اپنی بیوی کو اپنے گھر نہیں لیا سکتے تو بڑے پریشان ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایک تو حلالے کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ دوسرے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں فرمایا ہے۔ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المُحَلِّلَ والمُحَلَّلَ لَهُ (سنن نسائی مع التعلیقات السلفیہ۔ ج ۲، ص ۹۲) دوسری حدیث میں آپؐ نے اسے تیس مستعار (مستعار بکرا، جس کی غرض صرف جفتی ہوتی ہے، عقد نہیں) سے تعبیر فرمایا ہے۔ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بالتیس المستعار؟ قالوا بلی یا رسول اللہ قال ھو المحلل۔

(ابن ماجہ) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم اسے زنا تصور کرتے تھے۔ کُنَّا نعد ھذا سفاحا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ الحاکم والطبرانی بحوالہ اعلام الموقعین) اسی طرح حضرت عمر کا فرمان ہے کہ ایسے لوگوں کو میں سنگسار کر دوں گا۔ "لا اُوتی بمحلل ولا محلل لہ الا رجمتھما۔ رواہ ابوبکر بن ابی شیبہ (اقامۃ الدلیل علی ابطال التحلیل لابن تیمیہ۔ ص ۱۹۰، طبع مصر) الغرض نکاح بغرض طلاق یا بغرض تحلیل، اسلام میں اس کا کہیں وجود نہیں ہے۔ ایسے نکاح کو جائز اور قابل حلالہ تصور کرنا۔ دراصل شیعوں والے نکاح متعہ" کا دروازہ کھولنا ہے۔

پھر بعض دفعہ یہ مروجہ حلالہ اور کئی قباحتوں کا باعث بن جاتا ہے۔ اس قسم کے واقعات متعدد مرتبہ سننے میں آئے ہیں کہ جس شخص کو قابل اعتماد سمجھ کر ایک دو راتوں کے لیے شرط کر کے نکاح کر دیا گیا۔ اس کی نیت میں فتور آ گیا۔ یہ چیز مرد و عورت دونوں کے لیے سخت آزمائش کا سبب بن جاتی ہے۔

اگر مرد و عورت حلالے کے ذریعے سے دوبارہ گھر بسانے کے لیے آمادہ

نہیں ہوتے تو پھر یہ جوڑا اگر بچوں والا ہوتا ہے تو بچوں کی تعلیم و تربیت اور نشو نما کا مسئلہ کھٹائی میں پڑ جاتا ہے۔ یا بعض دفعہ اولاد پر قبضہ کرنے کے لیے طرفین میں کشاکش برپا ہو جاتی ہے۔ اگر بچے نہیں ہوتے تب بھی عورت جوان ہو یا معمر، اس کے لیے خاوند سے علیحدگی بڑی مشکلات کا باعث بن جاتی ہے۔ جوان ہے تو دوبارہ شادی کا مسئلہ بڑا ٹیڑھا ہو جاتا ہے لوگ مطلقہ عورت کو داغ دار سمجھتے ہیں۔ شادی تو کجا لوگوں کی بھانت بھانت کی بولیاں اس کا جینا دوبھر کر دیتی ہیں اور اگر بوڑھی ہے تو اپنا بڑھاپا کس کے سہارے گزارے، عمر بھر کے جیون ساتھی سے تو علیحدگی ہو گئی۔ اب زندگی کے یہ آخری ایام کسی اور کے ہاں گزارتے ہوئے اس پر جو کچھ بیتے گی؟ اس کا اندازہ ہر آدمی کر سکتا ہے۔

اندریں حالات، حلالہ جیسی لعنت کے خاتمے اور مذکورہ عائلی و معاشرتی پیچیدگیاں دور کرنے کے لیئے اگر صدرِ اوّل کے اس تعامل کو اپنا لیا جائے کہ یک وقت دی گئیں تین طلاقیں ایک ہی طلاق ہوں گی۔ تو یقیناً بہت سی مذکورہ قباحتوں اور پیچیدگیوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

پھر دلائل کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بھی مسئلہ قوی یہی ہے اگرچہ بلحاظ نفس مسئلہ جمہور علماء دوسرے ہی خیال کے حامی ہیں۔ تاہم مسائل دینیہ میں اکثریت و اقلیت والی بات نہیں چلتی، وہاں تو واضح دلائل کی ضرورت ہے اور جہاں قوی دلائل موجود ہوں۔ وہاں عام رجحان کی بجائے دلیل کو اپنانا چاہیئے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ (یک وقت دی گئی تین طلاقیں، ایک شمار ہوں) دلائل کے لحاظ سے مضبوط ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یک وقت تین طلاق ایک ہی شمار ہوتی رہی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی اسی پر عمل رہا۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو تین سالوں میں بھی یہی صورت برقرار رہی جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ابن عباسؓ میں ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے کثرت طلاق کے رجحان کو روکنے کے لیے تعزیراً و تہدیداً یہ اجتہادی قدم اٹھایا کہ یک وقت دی گئیں تین طلاقیں، تین ہی شمار کر دی جائیں۔ تاکہ لوگوں کے اندر تنبہ ہو اور وہ یک وقت تین طلاق دینے سے باز آ جائیں جسے اسلام نے پسند نہیں کیا ہے!

بعض لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اس اقدام پر اجماع امت ہے۔ اس لیے اب یہی مسئلہ صحیح ہے لیکن یہ دعوائے اجماع امر واقعی کے خلاف ہے۔ اس مسئلے پر کبھی امت کا اجماع نہیں ہوا۔ یہ عہد صحابہ و تابعین سے ہی مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ جس کی تفصیل فقہ الحدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ جس کے لیے فتح الباری و عمدۃ القاری سے لے کر موجودہ دور کی تالیف "الفقہ علی المذاھب الاربعۃ"، کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ حضرت عمرؓ سے اس مسئلے کے اثبات کیلئے تو یہ حدیث پیش کی جاتی ہے۔ لیکن اسی حدیث سے یہ بات جو واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ حضرت عمرؓ کے ابتدائی دو سال تک تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھیں۔ اس کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ عہدِ رسالت کا تعامل حضرت عمرؓ کے اقدام پر فوقیت رکھتا ہے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ اس اقدام کی حیثیت بھی اجتہادی و تعزیری ہو۔

علاوہ ازیں ایک صحیح حدیث مسند امام احمد میں اس سلسلے میں آتی ہے۔

عن ابن عباس قال طلق رکانۃ بن عبد یزید اخو بنی مطلب امراتہ ثلاثاً فی مجلس واحد فحزن علیھا حزناً شدیداً قال فسألہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف طلقتھا قال طلقتھا ثلاثاً قال فقال فی مجلس واحد قال نعم قال فانما تلک واحدۃ فارجعھا ان شئت قال فراجعھا (مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۳، طبع احمد شاکر مصر)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ لیکن اس کے بعد جب انہیں احساس ہوا تو بہت غمگین ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو طلاق کیسے دی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ "میں نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں" آپ نے پوچھا "ایک ہی مجلس میں"، حضرت رکانہؓ نے کہا کہ "ہاں" آپ نے فرمایا پھر تو یہ ایک ہی ہوئی۔ اگر تم چاہو تو اس سے رجوع کر لو (یعنی اپنے گھر بسالو)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رکانہؓ نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا"

حضرت رکانہؓ کی اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں

ھٰذا الحدیث نصٌّ فی المسئلۃ لا یقبل التاویل (ج ۱۱، ص ۲۷۵۔ طبع مصر)

یہ حدیث اس مسئلے میں نص صریح ہے جس میں کوئی تاویل نہیں چل سکتی۔

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کا خاص واقعہ ہے جس میں پوری صراحت سے مسئلے کا وہی حل موجود ہے۔ جس کی طرف ہم توجہ دلا رہے ہیں۔ اس انداز کی اور بھی کئی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ جن سے یہی مسئلہ ثابت ہے قرآن کے الفاظ الطلاق مرتان کا منشا بھی یہی ہے کہ طلاق بیک وقت تینوں واقع نہ ہوں۔ (جیسا کہ امام رازیؒ اور دیگر مفسرینؒ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے) کیونکہ اگر بیک وقت دی گئیں تین طلاقوں کو تین ہی میں شمار کر لیا جائے تو آیت کریمہ الطلاق مرتان کے بعد فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ کا کوئی مطلب ہی باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ اس میں یہ فرمایا گیا ہے۔ دو دفعہ طلاق دینے کے بعد تیسری دینے سے قبل انہیں اپنے گھر میں بسانے کا موقع موجود ہے۔ پس جب ایک مرتبہ ہی تین طلاقیں واقع کر دی گئیں تو بھی حق طلاق کے استعمال کرنے کا موقع ہی نہ رہا جو قرآن کی رو سے مرد کو حاصل ہے (تفصیل کے لیے دیکھیے حافظ ابن القیمؒ کی زاد المعاد، اغاثۃ اللھفان اور اعلام الموقعین اور فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ)

قرآن و حدیث کے ان واضح دلائل اور مذکورہ معاشرتی پیچیدگیوں کے حل کے جذبہ صادقہ نے ہی اس دور کے بہت سے حنفی علماء کو اس مسئلے پر از سر نو غور کرنے پر مجبور کیا۔ اور پھر انہوں نے مجلس واحد کی تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرنے کا نہ صرف فتوی دیا۔ بلکہ اس مسلک کی پرزور حمایت و وکالت بھی کی ہے۔ ان علماء میں سرفہرست مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر ماہنامہ "برہان" دہلی، مولانا مفتی عتیق الرحمن صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت، مولانا شمس پیرزادہ، امیر جماعت اسلامی مہاراشٹر، مولانا سید حامد علی سیکرٹری جماعت اسلامی ہند، مولانا محفوظ الرحمن قاسمی فاضل دیوبند اور مولانا پیر کرم شاہ ازہری مدیر ماہنامہ "ضیائے حرم" سرگودھا (پاکستان) ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد عرب علماء نے بھی اس کی تائید کی ہے کئی اسلامی ممالک نے بھی جن

ہیں پاکستان کے علاوہ مصر، اُردن، عراق اور دیگر کئی ممالک ہیں۔ یہی قانون بنایا ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوں گی۔ چنانچہ سب سے پہلے مصر نے ۱۹۲۹ء میں آن واحد کی تین طلاقوں کے اصول کو ختم کر کے یہ قانون بنایا کہ متعدد طلاقیں صرف ایک طلاق ہوں گی اور وہ رجعی ہوگی۔ اسی قسم کا قانون سوڈان نے ۱۹۳۵ء میں اور اُردن نے ۱۹۵۱ء میں، شام نے ۱۹۵۳ء میں، مراکش نے ۱۹۵۸ء میں عراق نے ۱۹۵۹ء میں اور پاکستان نے ۱۹۶۱ء میں نافذ کیا۔ کتاب "ایک مجلس کی تین طلاقیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں" طبع بھارت ص ۶۸ - ۶۹)

اگرچہ اسلامی ممالک کا قانون شرعی حجت کی حیثیت نہیں رکھتا تاہم اس سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ طلاق ثلاثہ سے جو معاشرتی پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ ان کا حل سنجیدگی سے سوچنے والوں کو وہی نظر آیا ہے۔ جو اسلام کے بالکل صدر اوّل میں تھا۔ اور جس کو اپنانے کی یا جنہوں نے اپنا رکھا ہے۔ اپنائے رکھنے کی آج بھی بڑی ضرورت ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے جس مقصد کے پیش نظر بطور تعزیر "تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کا حکم نافذ فرمایا تھا، وہ مقصد اب بروئے کار نہیں آ رہا ہے۔ ان کا مقصد تنبیہ تھا کہ لوگ بیک وقت تین طلاق دینے سے باز آجائیں اور یہ غلط رجحان ختم ہو جائے۔ اب بدقسمتی سے مسلمان عوام میں جہالت اور غلط تربیت یا عدم تربیت کی وجہ سے بیک وقت تین طلاقیں دینے کا رجحان بہت زیادہ ہوگیا ہے۔ اور اس سے طرح طرح کی معاشرتی پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں اور حلالے کو فروغ ہو رہا ہے۔ جس کی بابت ارشادات رسول وآثار صحابہ پہلے پیش کیے جا چکے ہیں۔ اس لیئے اب حضرت عمرؓ کے اجتہادی اقدام ہی پر مصر رہنا کسی لحاظ سے بھی صحیح نہیں کیونکہ اسی اجتہاد کا مقتضی آج یہ ہے کہ صدر اوّل کے تعامل کو بحال کر دیا جائے۔ جیسا کہ حافظ ابن القیم اسی پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ثم صار فی ھذہ الازمنۃ التحلیل کثیراً مشھوراً والثلاث ثلاثا وعلیٰ ھذا فیمتنع فی ھذہ الازمنۃ معاقبۃ الناس بما

"اس زمانے میں حلالے کی رسم بہت مشہور ہوگئی اور تین طلاق کو تین شمار کرنے کا فتوی بھی عام ہے اس لحاظ سے حضرت عمرؓ نے (طلاق ثلاثہ کو تین شمار کرنے کی

عاقبهم به عمر من وجهين احدهما ان اكثرهم لا يعلم ان جمع الثلاث حرام لا سيما كثير من الفقهاء لا يرى تحريمه فكيف يعاقب من لم يرتكب محرما عند نفسه

الثاني ان عقوبتهم بذلك تفتح عليهم باب التحليل الذي كان مسدودا على عهد الصحابة والعقوبة اذا تضمنت مفسده اكثر من الفعل المعاقب عليه كان تركها احب الى الله ورسوله ولو فرضنا ان التحليل مما اباحته الشريعة ومعاذ الله - لكان المنع منه اذا فصل الى هذا الحد الذي قد تفاحش قبحه من باب سد الذرائع وتعين على المفتين والقضاة المنع منه جملة وان فرض ان بعض افراده جائز اذ لا يترتب احد في ان الرجوع الى ما كان عليه الصحابة في عهد النبي

جو سزا لوگوں کو دی تھی وہ دو اعتبار سے ختم ہوگئی ہے۔

ایک تو لوگوں کی اکثریت اس بات سے ہی لاعلم ہے کہ تین طلاقوں کا جمع کرنا حرام ہے بالخصوص اکثر فقہا اسے حرام نہیں سمجھتے پھر جب ایک چیز بجائے خود ان کے ہاں حرام ہی نہیں ہے تو اس پر سزا کیسی؟

دوسرے اس سزا (یک وقت تین طلاقوں کو تین طلاق کے طور پر ہی نافذ کر دینے) سے حلالے کا وہ دروازہ کھل جاتا ہے۔ جو صحابہؓ کرام کے دور میں بند تھا۔ جس وقت حضرت عمرؓ نے بطور عقوبت مذکورہ حکم نافذ کیا تھا، گویا یہ سزا اس فعل سے بدتر گناہ کا سبب بن گئی ہے۔ جس کو بند کرنے کے لیے مذکورہ سزا نافذ کی گئی تھی۔

جب کوئی سزا اس فعل سے بھی زیادہ خرابیوں کا باعث بن جائے۔ جس فعل پر وہ سزا دی جائے تو اس سزا کا ترک کر دینا یقیناً اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ محبوب ہے اس لیے اب اس سزائے عمرؓ کو بند کر دینا ہی اللہ رسول کو محبوب ہوگا۔

علاوہ ازیں اگر فرض کر لیا جائے کہ نعوذباللہ حلالہ مباح ہے۔ تب بھی بطور سد ذریعے اب اس کا بند کر دینا ضروری ہے اور اس کی سب سے بہتر صورت یہی ہے کہ اس تعامل کو بحال

صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر الصدیق وصدر من خلافۃ عمر اولی من الرجوع الی التحلیل (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۴۴۔ طبع جدید)

کر دیا جائے جو اہل رسالت، عہد ابوبکر صدیق اور خلافت عمرؓ کے ابتدائی عہد میں تھا۔ یعنی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کرنا"۔

اجتہادی مسائل میں فقہائے اسلام کی تصریحات

فقہائے کرام کی تصریحات بھی اس کی مؤید ہیں کہ وہ مسائل جن کی بنا اجتہاد اور رعایت زمانہ پر ہو وہ تغیر حالات سے متغیر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مشہور حنفی فقیہ علامہ ابن عابدین (صاحب شرح در مختار المعروف فتاوی شامی)، نے ایک پورا رسالہ ہی اس موضوع پر لکھا ہے۔

نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف۔ اس میں انہوں نے بیسیوں ایسے اجتہادی مسائل کا ذکر کیا ہے۔ جن کی بنیاد عرف اور تقاضائے مصلحت پر تھی لیکن عرف اور تقاضائے مصلحت بدل جانے کی وجہ سے ان میں تبدیلیاں ناگزیر ہو گئیں۔ اور اس کے حکم کو بدل ڈالا گیا۔ اس رسالہ میں وہ لکھتے ہیں۔

واعلم ان المسائل الفقهية اما ان تكون ثابتة بصريح النص وهي الفصل الاول واما ان تكون ثابتة بضرب اجتهاد ورأى وكثير منها ما يبينه المجتهد على ما كان في عرف زمانه بحيث لو كان في زمان العرف الحادث لقال بخلاف ما قاله اولاً ولهذا قالوا في شروط الاجتهاد انه لا بد فيه من معرفة عادات الناس فكثير من الاحكام (الى قوله) بانه لو كان في زمنهم لقال بما قالوا به (رسالہ مذکور در رسائل ابن عابدین ص ۱۲۵ ج ۲ طبع لاہور ۱۹۷۶ء)

"یہ بات واضح رہے کچھ مسائل تو صریح نص سے ثابت ہیں۔ اور کچھ مسائل وہ ہیں جن کا ثبوت ایک گونہ رائے و اجتہاد سے ہے۔ اور بہت سے مسائل کا حال یہ ہے کہ مجتہد ان کو اپنے دور اور رواج کے اعتبار سے بیان کرتا ہے پھر وہی مجتہد اگر اس زمانے میں ہوتا تو اپنے قول کے خلاف فتویٰ دیتا کیونکہ ..

اجتہاد کی شرائط میں سے ایک اہم شرط یہ بیان کی جاتی ہے کہ مجتہد رسم و رواج اور مصلحت وقت کا ناض ہو اس لیے کہ بہت سے احکام اختلاف زمانہ سے متغیر ہو جاتے ہیں"۔

خود حافظ ابن القیم رحؒ نے اغاثۃ اللہفانُ میں حضرت عمرؓ کے متعدد دیگر اجتہادی اقدامات کا ذکر کیا ہے۔ جو ظاہر ہے کہ ان کے زمانے اور حالات کے اعتبار سے چاہے کتنے ہی ضروری ہوں۔ تاہم بعض میں آنے والے حضرات کے لیے بعینہٖ اُن پر عمل کرنا لازمی نہیں۔ یہ مقام تو صرف ان مسائل کو حاصل ہے جو نصِ صریح (قرآن و حدیث صحیح) سے ثابت ہوں۔

اجتہادی ہونے کے واضح قرائن اس مقام پر یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ اجتہادی مسائل کی یہ نوعیت کہ وہ تغیرِ حالات سے متغیر ہو جاتے ہیں، محلِ اختلاف نہیں۔ اصل زیرِ بحث چیز تو یہ ہے کہ کیا حضرت عمرؓ کا زیرِ بحث اقدام فی الواقع اجتہادی نوعیت کا ہی تھا۔؟ اگر ایسا تھا تو بعد کے ادوار میں یہی اقدام عمرِ معمول بہ اور مفتیٰ بہ کیوں رہا؟ حتّٰی کہ اس پر اجماع تک کا بھی دعویٰ کیا گیا ہے۔

لہٰذا یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر کا زیرِ بحث اقدام فی الواقع اجتہادی اور تدبیری تھا۔ اس کے بعد ادوارِ مابعد میں اس پر چاہے کیسے بھی عمل ہوتا رہا ہو۔ تاہم اسے ایک دائمی عمل اور ناقابلِ تغیر" فتوے کی حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور دعوائے اجماع تو قطعاً بے بنیاد ہے۔ جس کی حقیقت ہم عنقریب ایک مستقل مضمون میں واضح کریں گے۔ انشاء اللہ۔

۱۔ سب سے واضح دلیل تو وہی حدیث ابن عباسؓ ہے۔ جس میں صاف فرمایا گیا ہے کہ حضرت عمر کے عہدِ خلافت کے ابتدائی دو سال یک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق سمجھا جاتا تھا۔

۲۔ دوسرا قرینہ خود حضرت عمرؓ کے وہ الفاظ ہیں جن کی رو سے سابق تعامل میں تبدیلی آئی یہ الفاظ اسی حدیث ابن عباس (صحیح مسلم) میں موجود ہیں۔ فلو امضیناہ علیہم کاش ہم (بطور تعزیر) یہ تینوں طلاقیں ہی جاری کر دیں"۔ ظاہر ہے جو چیز شرعی طور پر پہلے ہی واجب اور ضروری ہے۔ اس کو نافذ کرنے کی تمنا اور آرزو کوئی نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر جنبی کے لیے غسلِ جنابت واجب ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ تمنا اور آرزو ظاہر کرے۔

"کاش لوگوں پر ہم غسل جنابت واجب کردیں"۔
تو ظاہر ہے کہ ایک لغو بات ہے۔ کیونکہ وہ تو پہلے ہی واجب ہے۔ اسی طرح اگر ایک مجلس کی تین طلاق کا بیک وقت تینوں واقع اور مؤثر ہو جانا، شرعی مسئلہ ہے۔ تو حضرت عمرؓ کی مذکورہ آرزو کا کوئی مطلب ہی نہیں رہتا۔ یہ تمنا اور آرزو اسی وقت صحیح ہوگی۔ جب کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ پہلے شرعی مسئلے کی نوعیت کچھ اور تھی۔ جسے حضرت عمرؓ نے وقتی طور پر بطور اجتہاد دتادیب قدرے مختلف انداز سے نافذ کیا۔
۳۔ تیسرا قرینہ انہی الفاظ میں یہ ہے کہ اس حکم کی نسبت بھی انہوں نے اپنی ہی طرف کی ہے۔ "کاش ہم اس کو جاری کردیں" کسی آیت و حدیث کا حوالہ نہیں دیا، کسی سابق تعامل کو بطور نظیر پیش نہیں کیا۔ اس کے بھی صاف معنی یہی ہیں۔ کہ یہ خاص انہی کا اجتہادی اقدام ہے۔
۴۔ چوتھا قرینہ یہ ہے کہ اگر یہ اُن کا اجتہادی اقدام نہ ہوتا۔ تو وہ آخر عمر میں اس پر اظہار ندامت نہ فرماتے۔ حالانکہ اپنی عمر کے آخری ایام میں انہوں نے اس فعل پر ندامت ظاہر کی ہے۔ جس کا مطلب دراصل اس اجتہادی حکم سے رجوع ہے۔ چنانچہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں۔

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ماندمت علی شئی ندامتی علی ثلاث ان لا اکون حرمت الطلاق (اغاثۃ اللہفان ج ۱ ص۳۵۱)	یعنی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تین حکموں پر جس قدر مجھے ندامت ہوئی ہے اتنی ندامت مجھے کسی بات پر نہیں ہوئی، ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ تین طلاق کو طلاق تحریمہ قرار نہ دیتا"۔

مذکورہ قرائن سے واضح ہے کہ یہ ایک اجتہادی و تدبیری اقدام تھا۔ ورنہ شریعت نے طلاق کے لیے یہی حکم دیا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں نہ دی جائیں۔ اگر ایسا کیا جائے گا۔ تو یہ حکم شریعت سے تجاوز ہوگا۔ اور امت کے تعامل اول کے مطابق اسے ایک ہی طلاق شمار کیا جائے گا۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ